باسمہ سبحانہ

غروب کے وقت سے پہلے روزہ داروں کا دعاؤں میں مشغول ہونے کا مستحسن اور مشہور و معروف معمول، چند روز سے موضوع سخن بنا ہوا ہے، کہ یہ معمول ثابت نہیں ہے اور افطار سے ما قبل کا وقت قبولیتِ دعا کا وقت نہیں ہے۔

بعض احباب نے اس سلسلہ میں عاجز سے (بربنائے حسن ظن) اپنا موقف واضح کرنے کی درخواست کی، لہذا یہاں پر چند باتیں سپردِ قرطاس کی ہیں۔ اس سے پہلے (افطار کی دعا) کے مضمون میں عاجز نے قبولیت دعا کے سلسلہ میں مختصراً عرض کیا تھا کہ: روایات اس سلسلہ میں تین طرح کی ہیں: ۱۔ روزہ دار کی مطلقاً دعا قبول ہوتی ہے، ۲۔ افطار تک قبول ہوتی ہے، ۳۔ عین افطار کے وقت قبول ہوتی ہے۔

مگر اس وقت تفصیلاً عرض کرنے کی ضرورت ہے، اس لئے درج ذیل مضمون مرتب کیا ہے:

پہلی بات :

اللہ تعالی کا ارشاد ہے ﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ﴾ [سورۂ بقرہ ۱۸۶]

ترجمہ: اور (اے پیغمبر) جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں پوچھیں تو (آپ ان سے کہہ دیجیے کہ) میں اتنا قریب ہوں کہ جب کوئی مجھے پکارتا ہے تو میں پکارنے والے کی پکار سنتا ہوں، لہذا وہ بھی میری بات دل سے قبول کریں، اور مجھ پر ایمان لائیں، تاکہ وہ راہ راست پر آجائیں۔ (آسان ترجمۃ القرآن)

اس آیت کو اللہ جل جلالہ نے آیات صوم کے درمیان ذکر کیا ہے، مفسرین نے اس کی مختلف مناسبتیں اور حکمتیں ذکر کی ہیں۔

حافظ ابن کثیر اپنی (تفسیر) میں تحریر فرماتے ہیں: دعا کی اس آیت کو روزوں کے احکام کی آیتوں کے درمیان وارد کرنے کی حکمت یہ ہے کہ: روزے ختم ہونے کے بعد لوگوں کو دعا کی ترغیب ہو، بلکہ روزہ افطار کے وقت وہ بکثرت دعائیں کیا کریں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: روزہ دار افطار کے وقت جو دعا کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے قبول فرماتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو (رضی اللہ عنہ) افطار کے وقت اپنے گھر والوں کو اور بچوں کو سب کو بلا لیتے اور دعائیں کیا کرتے تھے۔ (تفسیر مترجم)

(تفسیر معارف القرآن کاندھلوی) میں لکھا ہے: اور عجب نہیں کہ اس طرف بھی اشارہ ہو کہ ماہ رمضان قبولیت دعا کا مہینہ ہے، اس کو غنیمت سمجھو۔ دعا کو روزہ کے ساتھ خاص مناسبت اور خاص تعلق ہے، یہی وجہ ہے کہ روزہ دار کی دعا بہ نسبت غیر روزہ دار کے زیادہ قبول ہوتی ہے، جیسا کہ احادیث میں بکثرت آیا ہے، اس لیے احکام صیام کے دوران میں دعا کا ذکر نہایت مناسب ہوا۔

(تفسیر معالم العرفان سواتی) میں ہے: روحانیت کے لحاظ سے رمضان کا مہینہ ایسے ہی ہے، جیسے سال بھر کے موسموں میں موسم بہار ہوتا ہے، جب ہر چیز اپنے جوبن پر ہوتی ہے، اسی طرح رمضان شریف میں دوسرے مہینوں کی نسبت نیکی کی قدر و قیمت اور وقعت کئی گنا بڑھ جاتی ہے ...

گویا یہ مہینہ تکمیل روحانیت کے لیے موسم بہار کا درجہ رکھتا ہے، لہٰذا قبولیت دعا کے لیے بھی یہ مبارک مہینہ خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ دعا کی قبولیت میں زمان اور مکان کو خاص اہمیت حاصل ہے، اس لحاظ سے رمضان کا مہینہ ایسا مبارک مہینہ ہے، جس میں دعا زیادہ قبول ہوتی ہے۔

(آسان تفسیر رحمانی) میں فرمایا: رمضان المبارک کا مہینہ اور روزہ کی حالت دُعاء کی قبولیت کا زمانہ ہے، اور اس میں دُعاء کا خصوصی اہتمام مطلوب ہے، غالباً اسی لئے روزہ کے احکام کے ساتھ دُعاء کرنے کی ترغیب دی گئی ہے اور دُعاء قبول کرنے کا وعدہ فرمایا گیا ہے۔

وقال ابن عاشور في تفسيره : وفِي هَذِهِ الآيَةِ إيماءٌ إلى أنَّ الصّائِمَ مَرْجُوٌّ الإجابَةِ، وإلى أنَّ شَهْرَ رَمَضانَ مَرْجُوَّةٌ دَعَواتُهُ، وإلى مَشْرُوعِيَّةِ الدُّعاءِ عِنْدَ انْتِهاءِ كُلِّ يَوْمٍ مِن رَمَضانَ.

دوسری بات :

عبادتوں کے اختتام کے وقت کو دعاؤں کے ساتھ خاص مناسبت اور جوڑ ہے، لہذا نماز کے قعدہ اخیرہ میں دعا مانگنے کے بارے میں حضرت فضالہ بن عبیدؓ کی روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرماتھے تو ایک آدمی آیا، اس نے نماز پڑھی اور دعا کی: اے اللہ! مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: " نمازی شخص! تم نے جلد بازی کی، جب تم نماز پڑھ کر (تشہد کے لیے) بیٹھو تو اللہ تعالی کی اس کی شان کے لائق حمد بیان کرو، مجھ پر درود بھیجو، پھر اللہ تعالی سے دعا کرو۔"[ترمذی ٣٤٧٦]

اسی طرح حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی مشہور حدیث ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا: "یارسول اللہ! کونسی دعا زیادہ قبول ہوتی ہے؟" تو آپ نے فرمایا: (رات کے آخری حصہ میں، اور فرض نمازوں کے آخر میں)۔[ترمذی ٣٤٩٩]اس حدیث میں " دبر الصلوات المکتوبات " سے مراد سلام سے پہلے کا نماز کا حصہ بعض علماء نے مراد لیا ہے۔

بلکہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو جو دعا پڑھنے کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت فرمائی تھی کہ اے معاذ! میں تمھیں وصیت کرتا ہوں کہ: کسی نماز کے بعد یہ دعا ہرگز ترک نہ کرنا: " اللَّهُمَّ أَعِنِّي عَلَى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ ، وحُسنِ عِبَادتِك "۔[ابوداود ١٥٢٢] اس روایت کے الفاظ ہیں: (لاَ تَدَعَنَّ فِي دُبُرِ كُلِّ صَلاَةٍ) جس کے مطابق اوپر ترجمہ کیا گیا۔ لیکن سنن نسائی(١٣٠٣) میں (فَلَا تَدَعْ أَنْ تَقُولَ فِي كُلِّ صَلَاةٍ) جس کی بناپر بعض اہل علم نے اس کو سلام پھیرنے سے پہلے پڑھنے پر محمول کیا ہے جو(فِي كُلِّ صَلَاةٍ) کا مصداق ہے۔

اسی طریقہ سے دیگر عبادتوں کے اختتام یا اس سے فراغت پانے پر دعا استغفار کی تاکید وارد ہے: حج کے بارے میں ہے (فَإِذَا أَفَضْتُمْ مِنْ عَرَفَاتٍ فَاذْكُرُوا اللهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ)[سورۃ بقرہ ۱۹۸] تہجد کے متعلق ہے (كَانُوا قَلِيلًا مِنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ، وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ)[سورۃ ذاریات ۱۸،۱۷]۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام جب تعمیر خانہ کعبہ سے فارغ ہوئے تو دعا کی (رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ)۔[سورۃ بقرہ ۱۲۷] نیز کفارۂ مجلس کی، وضوء کے بعد کی، اور اذان کے بعد کی دعائیں بھی وارد ہیں۔

مذکورہ بالا نصوص کی بناء پر علماء نے دعا کا عبادتوں کے اختتام کے ساتھ مناسبت کا ہونا لکھا ہے، نیز قرآن کریم کی آخری تین سورتیں (اخلاص اور معوذتین) بھی درحقیقت دعا ہی ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تینوں سورتوں کا ہر شب سونے سے پہلے دعا کے طور پر پڑھنا اور دم کرنا صحیح احادیث میں منقول ہے۔ وعند کل ختم للقرآن دعوة مستجابة۔

وفي "شرح زاد المستقنع" للشنقيطي : إذا انتهى الإنسان من العبادة يُرجَى له القبول؛ وإذا انتهى من الصلاة قبل أن يسلّم شُرع له الدعاء، قال صلى الله عليه وسلم (ثم ليتخيَّر من المسألة ما شاء) وجعل هذا الموضعَ موضعَ مظانّ الإجابة، كما قال عليه الصلاة والسلام لما سُئل عن مواضع الإجابة: (أي الدعاء أسمع؟ قال: أدبار الصلوات المكتوبات) قيل: أدبار الصلوات المكتوبات، يعني: عند آخر الصلاة، فهذا من مواضع الإجابة، وبعد الصلاة الزكاة، ولذلك قال تعالى:{خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ} [التوبة:١٠٣] فإذا أدى الزكاةَ دعا له النبي صلى الله عليه وسلم؛ فكلما انتهى من الفريضة وقام بحق الله كأن الله سبحانه وتعالى يرحمه، ويكون ذلك عاجلَ المكافأة له في الدنيا.

تیسری بات :

احادیث میں روزہ دار کی دعا کی قبولیت کے سلسلہ میں تین صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے روایات وارد ہیں :

۱۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت: ان سے جو روایات منقول ہیں ان کے چار الفاظ ہیں :

پہلا لفظ: ثَلَاثَةٌ لَا تُرَدُّ دَعْوَتُهُمْ: الصَّائِمُ حَتَّى يُفْطِرَ، وَالإِمَامُ العَادِلُ، وَدَعْوَةُ المَظْلُومِ ...الخ۔ اس میں (حتی یفطر) ہے۔

دوسرا لفظ: ثَلَاثَةٌ لَا تُرَدُّ دَعْوَتُهُمْ: الصَّائِمُ حِيْنَ يُفْطِرَ، وَالإِمَامُ العَادِلُ، وَدَعْوَةُ المَظْلُومِ ...الخ ۔اس میں (حین یفطر) ہے۔

تیسرا لفظ مطلق: الصَّائِمُ لَا تُرَدُّ دَعْوَتُهُ۔

چوتھا لفظ مطلق: ثلاثُ دَعَواتٍ لا تُرَدُّ: دعوةُ الوالِدِ، ودعوةُ الصَّائمِ، ودعوةُ المُسافِرِ ۔

پہلے لفظ (حَتَّى يُفْطِرَ) کی تخریج: اس روایت کا مدار (ابو مجاہد سعد الطائی) پر ہے، جو روایت کرتے ہیں (ابو مدِلّہ) سے، اور وہ (حضرت ابوہریرہ) سے۔

مدار سند (ابو مجاہد سعد الطائی) سے روایت کرنے والے پانچ راوی ہیں : (سعدان بن بشر جہنی، حمزہ بن حبیب زیات، زہیر بن معاویہ ابو خیثمہ، عمرو بن قیس ملائی، عبد العزیز بن رُفیع) ان تمام حضرات نے اپنی روایت میں: (الصَّائِمُ حَتَّى يُفْطِرَ) ذکر کیا ہے، جس کا ترجمہ ہے کہ : روزہ دار کی دعا افطار کے وقت تک قبول ہوتی ہے، یعنی جب تک وہ بحالتِ صوم ہے اس کی دعا مقبول ہے۔

اب مذکورہ پانچوں راویوں کی روایات کی تخریج ملاحظہ فرمائیں:

١- سعدان بن بشر الجهني القُبّي / سنن الترمذي (٣٥٩٨) ، سنن ابن ماجه (١٧٥٢) مسند إسحاق بن راهويه (١/ ٣١٧) ، مسند أحمد (٩٧٤٣) .

٢- حَمْزَةُ الزَّيَّاتُ / الزهد والرقائق لابن المبارك (١/ ٣٨٠) ، الدعاء للضبي (ص: ٣١٧).

٣- زُهَيْرٌ أبو خيثمة / مسند أبي داود الطيالسي (٤/ ٣١٠) ، مسند أحمد (٨٠٤٣) ، المنتخب من مسند عبد بن حميد (ص: ٤١٥) ، صحيح ابن حبان (٣٤٢٨) ، السنن الكبرى للبيهقي (٨/ ٢٨٠) ، فضيلة العادلين من الولاة لأبي نعيم (ص: ١٣١) .

٤- عَمْرُو بْنُ قَيْسٍ الْمُلَائِيُّ / صحيح ابن خزيمة (٢/ ٩١٧) .

٥- عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ رُفَيْعٍ / المعجم الأوسط (٧/ ١٤٤) .

یہی روایت مسند بزار (١٤/ ٤٠٠) میں ایک دوسری سند سے وارد ہوئی ہے (إبراهيم بن خُثَيم بن عِرَاك ،عن أبيه، عَن جَدِّه، عَن أَبِي هُرَيرة) ،اس میں بھی (الصَّائِمُ حَتَّى يُفْطِرَ) ہے۔

حكم الرواية : قال البزار: وَهَذَا الْحَدِيثُ لا نعلَمُ أحدًا رَوَاهُ بِهَذَا اللفظ إلاَّ أَبُو هُرَيرة بهذا الإسناد.اهـ

وهذا إسناد ضعيف جدا، فيه إبراهيم بن خثيم بن عراك، متروك الحديث، انظر ترجمته في "لسان الميزان" ١/ ٥٣.

دوسرے لفظ (حِيْنَ يُفْطِرَ) کی تخریج: درحقیقت یہ بھی سابقہ روایت ہی کی سند سے وارد ہے، یعنی وہی روایت ہے، فرق صرف (حين يفطر) کا ہے۔

مدار سند (ابو مجاہد سعد الطائی) سے روایت کرنے والوں میں (زہیر ابو خیثمہ، حمزہ زیات، عبید اللہ بن موسی) کی بعض اسانید میں یہ لفظ (حِينَ يُفْطِرَ) وارد ہے، تخریج ملاحظہ فرمائیں:

١- زهير أبو خيثمة / بغية الباحث عن زوائد مسند الحارث (٢/ ٩٦٨) ، شعب الإيمان (٩/ ٣١٠) ، صحيح ابن حبان (٧٣٨٧) -

٢- حمزة الزيات / سنن الترمذي (٢٥٢٦) -

٣- عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُوسَى / شرح السنة للبغوي (٥/ ١٩٦) -

یہاں پر اشکال ہوتا ہے کہ (زہیر ابو خیثمہ، حمزہ زیات) دونوں کی روایت میں (حَتَّى يُفْطِرَ) گذر چکا، تو کیا دونوں الفاظ وارد ہیں (حَتَّى يُفْطِرَ/ حِينَ يُفْطِرَ) یا ایک لفظ میں کوئی غلطی ہے؟

اس اشکال کے جواب میں امام برہان الدین ناجی نے (عجالة الإملاء ٢/ ٨٠٧) میں مفصل تحقیق پیش کی ہے جو درج ذیل ہے:

٤٨٠ - قوله بعده في حديث أبي هريرة: "ثلاثة لا ترد دعوتهم: الصائم حين يفطر". رواه أحمد في حديث، والترمذي وحسنه، واللفظ له، وابن ماجة، وابن خزيمة وابن حبان إلا أنهم -يعني من بعد الترمذي- قالوا: "حتى يفطر".[قالہ المنذری فی الترغیب]

قال الناجی: كلامه هنا يقتضي أن لفظ الترمذي: "حين يفطر" ولفظ الباقين: "حتى"، وليس كذلك . فالحديث أخرجه الترمذي في موضعين من جامعه ، ثانيهما: في الدعوات بهذا اللفظ المذكور المستقِلّ من طريق سَعدَان الجُهني، عن سعد الطائي، عن أبي مُدِلَّة بضم الميم، وكسر الدال المهملة، وتشديد اللام المفتوحة، آخرها هاء تأنيث -وهم ثقاتٌ- عن أبي هريرة.

وهذه الطريق هي التي حَسَّنها الترمذي، ونُسَخُ كتابه متفقةٌ على لفظة "حتى" بالتاء المثناة فوقُ. بل جزم النوويُّ [في خلاصة الأحكام] بأن الرواية هكذا. [وفي البدر المنير (٥/ ١٥٤) قَالَ: وَإِنَّمَا ضَبطه لِئَلَّا يُصَحَّف فَيُقَال: (حِينَ) بِالْمُثَنَّاةِ تَحت مَعَ النُّون] . وكذا قال ابن الملقن في "أدلة المنهاج" : "كذا هو (حتى) بالتاء ، وإياك أن تُصَحِّفَه بـ "حينَ".

ثم من الطريق المذكور أخرج الجماعة المذكورون الحديث المذكور مختصراً، والإمام أحمد مطولاً.

وقد أخرجه الترمذي أيضاً مطولاً نحو سياق أحمد في صفة الجنة لكن من طريق حمزة الزيات عن زياد الطائي -وهو واهٍ-عن أبي هريرة بطوله. ثم قال: "ليس إسناده بذاك القوي، وليس هو عندي بمتصل" هذا كلام الترمذي.

ولو اطلع المصنف [أي المنذري] على هذه الرواية المطولة لم يَعزُها إلى الإمام أحمد وحدَه في الصيام في موضعين، وفي العدل والظلم في موضعين آخرين.

وهذه الرواية المطوّلة يوجَد فيها في بعض نُسَخ الترمذي "حين يفطر" وفي المعتَمَد منها "حتى"، وكان في بعضها "حتى"، فعُمِلت "حين" والظاهر أنه من النُّسَّاخ، وأن كلتا الروايتين "حتى".

ورأيت في حاشيةِ نُسخة مَغربية قريبةٍ من الصِّحة قرأها شيخُنا حافظ دمشق في عصره ابنُ ناصر الدين على الحافظ ابن الشرايحي: "حتى يفطر"، ومصحَّحٌ عليها مرتين، وفي الأصل "حين"، ومكتوب عليها "نسخة" [أي هكذا في نسخة].

ثم على تقدير ثبوت "حين" في بعض نُسَخ الترمذي، فإنما هي في الرواية المطولة المتكلَّم في إسنادها - ولم يطلع عليها المصنفُ كما عَلِمتَ - لا في الرواية المستقلة المختصَرة

المحسَّن إسنادها، فإن كانت لفظة "حين" فيها في نسخة المصنف بالترمذي فذاك، وإلا فلا أدري ما الذي أوجب له هذا؟. والله أعلم.اهـ

امام ناجی کی تحقیق کا خلاصہ یہ ہے:

۱۔ منذری کا ظاہر کلام اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ترمذی کی روایت میں صرف (حِيْنَ يُفْطِرَ) وارد ہے، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ترمذی نے دوسرے باب میں (حَتَّى يُفْطِرَ) کی روایت بھی پیش کی ہے۔

۲۔ ترمذی کی جس روایت میں (حِيْنَ يُفْطِرَ) ہے وہ مطول ہے، اس کی سند پر خود ترمذی نے جرح کی ہے۔ جبکہ (حَتَّى يُفْطِرَ) والی روایت مختصر ہے، اور ترمذی نے اس کی تحسین کی ہے۔

۳۔ نیز (حِيْنَ يُفْطِرَ) والی متکلم فیہ روایت میں ترمذی کے نسخوں میں اضطراب ہے، اکثر نسخوں میں یہاں بھی (حَتَّى) ہے، اور معتمد نسخوں میں اس پر علامتِ تصحیح بھی ہے۔ جبکہ بعض میں (حِيْنَ) ہے، اور بعض نسخوں میں اصل میں (حَتَّى) تھا، پھر اس کو (حِيْنَ) سے مبدل کیا گیا، اور شاید یہ تبدیلی کاتبوں وناسخوں کی کارستانی ہے۔

۴۔ امام نووی ابن الملقن وغیرہ نے بھی تصریح کی ہے کہ اس روایت میں: (حَتَّى يُفْطِرَ) ہی درست ہے، اور (حِيْنَ يُفْطِرَ) تصحیف ہے۔

عاجز کہتا ہے کہ: امام ناجی نے سنن ترمذی کی جس روایت کے بارے میں کہا کہ وہ مطول اور متکلم فیہ ہے، یہ روایت ترمذی میں (٢٥٢٦) محمد بن فضیل ضبی عن حمزہ زیات کے طریق سے وارد ہے، محمد بن فضیل ضبی کی اصل روایت ان کی کتاب (الدعاء ص ٣١٧) میں ہے، اس میں (حَتَّى يُفْطِرَ) ہے۔ نیز امام ابن مبارک نے بھی (کتاب الزهد ١/ ٣٨٠) میں حمزہ زیات سے جب روایت کی تو (حَتَّى يُفْطِرَ) ذکر کیا۔ اس سے امام ناجی کی بات کو تقویت ملتی ہے کہ ترمذی میں (حَتَّى) ہی درست ہے۔

رہ گئی زہیر بن معاویہ کی روایت(حِيْنَ يُفْطِرَ) تو ان سے روایت کرنے والوں میں اکثر حضرات(طیالسی،ابو کامل جحدری،ابو نضر فرادیسی، حسن بن موسی،احمد بن یونس) نے ایک ہی لفظ (حَتَّى يُفْطِرَ) سے روایت کیا ہے، جبکہ دو راویوں (عاصم بن علی،فرج بن رواحہ)سے دونوں طرح کی روایت منقول ہے۔

اور(حِيْنَ يُفْطِرَ)کے تیسرے راوی(عبیداللہ بن موسی) کی روایت صرف بغوی کی(شرح السنہ) میں ہے، جس کا رتبہ سابقہ کتابوں سے ادنی ہے۔واللہ اعلم

تیسرے لفظ(الصَّائِمُ لَا تُرَدُّ دَعْوَتُهُ)کی تخریج: یہ سعدان جہنی ہی کی روایت ہے، لیکن مختصر ہے،اور یہ (حَتَّى يُفْطِرَ)کی روایت کی تایید کرتی ہے۔

رواية سعدان المختصرة : مسند أحمد (١٠١٨٣) ، مسند إسحاق بن راهويه (١/ ٣٢٠) ، مسند الشهاب للقضاعي (١/ ١٦٣) .

چوتھے لفظ(ودعوةُ الصَّائمِ)کی تخریج:

سندها : أَبُو عَاصِمٍ الضَّحَّاكُ بْنُ مَخْلَدٍ، عَنِ الْحَجَّاجِ الصَّوَّافِ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ . الدعوات الكبير للبيهقي (٢/ ٣٠٩) ، الدعاء للطبراني (ص: ٣٩٢) . اور یہ بھی(حَتَّى يُفْطِرَ)کی مؤید ہے۔

حضرت ابوہریرہ کی روایت کے چاروں الفاظ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ : روزہ دار کی دعا بحالتِ صوم مقبول ہے مطلقا،اس میں افطار سے ماقبل کا وقت بھی داخل ہے،اور عین افطار کا وقت بھی جس کی تایید اگلی روایات سے ہو رہا ہے۔

۲۔حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی روایت:

روایت کے الفاظ ہیں: (إِنَّ لِلصَّائِمِ عِنْدَ فِطْرِهِ لَدَعْوَةً مَا تُرَدُّ) ۔

تخریج: سنن ابن ماجه (٢/ ٦٣٦) ، الترغيب في فضائل الأعمال وثواب ذلك لابن شاهين (ص: ٥٢) ، الدعاء للطبراني (ص: ٢٨٦) عمل اليوم والليلة لابن السني (ص: ٤٣١) المستدرك على الصحيحين للحاكم (١/ ٥٨٣) معجم ابن عساكر (١/ ٣٠٧) ۔

(عِنْدَ فِطْرِهِ) سے عین افطار کا وقت مراد ہونا ظاہر ہے، لیکن اس سے قرب افطار مراد لینا بھی بعید نہیں ہے، کیونکہ خود حضرت عبد اللہ بن عمرو کا عمل افطار کے بعد اجتماعی دعا کرنے کا رہا ہے، چنانچہ [مسند أبي داود الطيالسي (٤/ ٢٠،شعب الإيمان ٥/ ٤٠٨] میں وارد ہے : وَكَانَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عَمْرٍو إِذَا أَفْطَرَ دَعَا أَهْلَهُ وَوَلَدَهُ وَدَعَا ۔

۳۔حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت :

من طريق إبراهيم بن بكر المروزي ، عن عبدالله بن بكر السهمي ، عن حميد الطويل ، عن أنس رضي الله عنه مرفوعا .

روایت کے الفاظ ہیں: (ثلاثُ دَعَواتٍ لا تُرَدُّ : دعوةُ الوالِدِ، ودعوةُ الصَّائمِ، ودعوةُ المُسافِرِ)۔

تخریج: الدعوات الكبير للبيهقي(٢/ ٣٠٩)و"السنن الكبرى للبيهقي(٣/ ٣٤٥) الأحاديث المختارة (٦/ ٧٤) ، معجم ابن عساكر (١/ ٣٣٨) لیکن سند میں ابراہیم بن بکر مجہول ہے۔

یہ روایت بھی قبولیت دعا کے بارے میں مطلق ہے،اور مراد واضح ہے۔

چوتھی بات :

افطار کے ماقبل دعا کرنے کی ترغیب وحکمتیں:

قَالَ الْحَكِيمُ التِّرْمِذِيُّ فِي (نَوَادِرِ الْأُصُولِ) : أُمَّةُ مُحَمَّدٍ ـ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ـ قَدْ خُصَّتْ مِنْ بَيْنِ الْأُمَمِ فِي شَأْنِ الدُّعَاءِ ، فَقَالَ تَعَالَى :{ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ} وَإِنَّمَا كَانَ ذَاكَ لِلْأَنْبِيَاءِ ، فَأُعْطِيَتْ هَذِهِ الْأُمَّةُ مَا أُعْطِيَتِ الْأَنْبِيَاءُ ، فَلَمَّا دَخَلَ التَّخْلِيطُ فِي أُمُورِهِمْ مِنْ أَجْلِ الشَّهَوَاتِ الَّتِي اسْتَوْلَتْ عَلَى قُلُوبِهِمْ : حُجِبَتْ قُلُوبُهُمْ ، وَالصَّوْمُ يَمْنَعُ النَّفْسَ عَنِ الشَّهَوَاتِ ، فَإِذَا تَرَكَ شَهْوَتَهُ مِنْ قَلْبِهِ صَفَا الْقَلْبُ وَصَارَتْ دَعْوَتُهُ بِقَلْبٍ فَارِغٍ قَدْ زَايَلَتْهُ ظُلْمَةُ الشَّهَوَاتِ وَتَوَلَّتْهُ الْأَنْوَارُ ، فَإِنْ كَانَ مَا سَأَلَ فِي الْمُقَدَّرِ لَهُ عُجِّلَ ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ كَانَ مُدَّخَرًا لَهُ فِي الْآخِرَةِ اهـ

وقال الإمام النووي في (المجموع شرح المهذب ٦/ ٣٧٥) :

يُسْتَحَبُّ لِلصَّائِمِ أَنْ يَدْعُوَ فِي حَالِ صَوْمِهِ بِمُهِمَّاتِ الْآخِرَةِ وَالدُّنْيَا لَهُ وَلِمَنْ يُحِبُّ وَلِلْمُسْلِمِينَ ، لِحَدِيثِ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ " قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وسلم :ثَلَاثَةٌ لَا تُرَدُّ دَعْوَتُهُمْ :الصَّائِمُ حَتَّى يُفْطِرَ ، وَالْإِمَامُ الْعَادِلُ ، وَالْمَظْلُومُ " رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَهْ . قَالَ التِّرْمِذِيُّ : حَدِيثٌ حَسَنٌ ، وَهَكَذَا الرِّوَايَةُ (حَتَّى) بِالتَّاءِ الْمُثَنَّاةِ فَوْقُ ، فَيَقْتَضِي اسْتِحْبَابَ دُعَاءِ الصَّائِمِ مِنْ أَوَّلِ الْيَوْمِ إلَى آخِرِهِ ، لِأَنَّهُ يُسَمَّى صَائِمًا فِي كُلِّ ذَلِكَ .اهـ

وفي "شرح زاد المستقنع" للشنقيطي :

السؤال : للصائم دعوةٌ مستجابةٌ عند فطره، فمتى تكون هذه؟ هل قبل الفطر أو بعده؟ وجزاكم الله خيراً.

الجواب : عند الشيء : قُربُه، ولو كان مرادُ الشرع ما بعد وجود الفطر، لقال: بعد أن يفطر؛ ولكنه خَصَّ ذلك بما قبل الفطر بالوقت اليسير، وهذا له نظائر في الشريعة، ولذلك تجد في

الصلاة أن الدعاء قبل السلام مظنة الإجابة فيعطَى العبد مسألتَه، كما قال صلى الله عليه وسلم لما سئل: (أي الدعاء أسمع؟ قال: جوف الليل الآخِر وأدبار الصلوات المكتوبات)، أدبار ودُبُرُ الشيءِ مِنْهُ.

وكذلك الزكاة، فإنه إذا جاء ليزكي ويعطي الزكاة يستغفر له الإمام ويدعو {خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ} [التوبة:١٠٣] وهذا عند قبضها. ومعلومٌ أن القبض يَسبِق إنفاق الزكوات وصرفَها للمستحقين، فلذلك تكون قبل تمام العبادة، كأنه وفَّى لله والله يوفِّي له، فإذا وفَّى لله وقام بحق الله على أتم الوجوه ؛ رُزِق هذه الدعوة الصالحة.

فأخبر صلى الله عليه وسلم أنه عند فطره، يعني: عند مقاربة الفطر، فينادي اللهَ عزَّ وجلَّ ويدعوه، وقد ضَمُرت أحشاؤه وخَوَت أمعاؤه، يسأل ربه سبحانه بتلك الكلمات الطيبات المباركات، فيلهج بهن بخُلوف أطيب عند الله من ريح المسك، فيسأل ربه قبل الإفطار مباشرة، فهذا من أفضل ما يكون، وهو الذي يدل عليه ظاهر الحديث، وتدل عليه النظائر. والله تعالى أعلم. اهـ

وسئل الشيخ ابن عثيمين : للصائم دعوة مستجابة عند فطره، فمتى يكون محلُّ هذه الدعوة: قبل الفطر أم في أثناءه أم بعده؟ وهل من دعواتٍ وردت عن النبي صلى الله عليه وسلم أو من دعاء تُشِيرون به في مثل هذا الوقت؟

الجواب :

الدعاء يكون قبل الإفطار عند الغروب؛ لأنه يجتمع في حقه انكسارُ النفس والذلُّ لله عز وجل وأنه صائمٌ ، وكل هذه من أسباب الإجابة، أما بعد الفطر فإن النفس قد استراحت وفرحت، وربما يحصل غفلة، لكن ورد ذكر إن صح عن النبي صلى الله عليه وآله وسلم فإنه يكون بعد الإفطار: (ذهب الظمأ، وابتلت العروق، وثبت الأجر إن شاء الله) هذا لا يكون إلا

بعد الفطر، وكذلك ورد عن بعض الصحابة أنه كان يقول: (اللهم لك صمت، وعلى رزقك أفطرت) فأنت ادع الله بالدعاء المناسب الذي تَرَى أنك محتاج إليه.اهـ

وكتب أحد الإخوة بعنوان (أثمن ثلاث ساعات في رمضان) قال :

الساعة الثانية: (آخر ساعة من النهار - قبل الغروب) هذه الساعة الثمينة تفوتُ على المؤمن الصائم غالبًا بالانشغال بإعداد الإفطار والتهيُّؤ له ، وهذا لاينبغي لمن حرص على تحصيل الأجر ، فهي لحظات ثمينة ودقائق غالية .. هي من أفضل الأوقات للدعاء وسؤال الله تعالى ، فهي من أوقات الاستجابة.اهـ

نیز عاجز نے اپنے ایک سابق مضمون میں لکھا ہے کہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے افطار کے وقت پڑھنے کی جو دعائیں منقول ہیں ان میں دعا کے پڑھنے کے وقت کی تعیین صراحتا مذکور نہیں ہے، کہ افطار سے قبل پڑھی جائے، یا افطار شروع کرنے کے بعد دوران افطار، یا افطار سے فارغ ہونے پر، تینوں احتمال ہیں یعنی (قبلیت، بعدیت، اثنائیت) البتہ روایات کے بعض الفاظ سے، ان تینوں معانی میں سے کوئی ایک معنی مترشح ہوتا ہے، چنانچہ:

ا۔اثنائیت (دوران افطار) یعنی افطار شروع کرنے کے بعد پڑھنے پر، معاذ بن زہرہ کی روایت (إِذَا صَامَ ثُمَّ أَفْطَرَ) دلالت کرتی ہے، اس لئے کہ (ثُمَّ أَفْطَرَ) سے افطار کی شروع ہونی معلوم ہوتی ہے۔

۲۔جبکہ حضرت انس کی روایت (إِذَا قُرِّبَ إِلَى أَحَدِكُمْ طَعَامٌ وَهُوَ صَائِمٌ فَلْيَقُلْ) میں قبلیت کی دلالت اقوی ہے۔

۳۔رہ گئی حضرت علی کی روایت، تو اس میں بعدیت کی تصریح ہے۔

پانچویں بات :

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے افطار کے وقت کے داخل ہونے کے بعد افطاری کرنے میں جلدی کرنی کی ترغیب دی ہے، متفق علیہ حدیث میں ہے:(لَا يَزَالُ النَّاسُ بِخَيْرٍ مَا عَجَّلُوا الفِطْرَ)اس روایت میں تعجیل الفطر کا درست معنی سمجھنے کی ضرورت ہے،اس لئے کہ بعض لوگوں کو اشکال ہوتا ہے کہ عین افطار کے وقت اگر دعا میں مشغول ہوں گے تو تاخیر فطر لازم آئے گا،جو خلافِ حدیث ہے۔

مگر اس روایت کا صحیح مطلب یہ ہے کہ: اس سے وہ تاخیر مراد ہے جو یہود و نصاری کے یہاں مروج تھی، وہ لوگ روزہ میں احتیاط کے لئے افطار کو اتنا مؤخر کرتے تھے کہ اندھیرا خوب چھا جاتا،اور چمکتے ہوئے ستاروں کا ہجوم ہو جاتا یعنی صاف نظر آنے لگتے،اس طرح مؤخر کرنے سے منع کیا گیا۔

قال الشافعي في"الأم": تعجيل الفطر مستحب، ولا يكره تأخيره إلا لمن تعمَّده ورأى الفضلَ فيه.

وقال ابن العربي المالكي في (المسالك في شرح موطأ مالك ٤/ ١٧٢) :

قال علماؤنا: ظاهِرُهُ أنّه - صلّى الله عليه وسلم - أشار إلى فساد الأمور الّتي تتعلّق بتغيير السُّنَّة الّتي هي التّعجيل للفِطْر، وأنّ تأخيرَه ومخالفةَ السُنّة في ذلك كالعَلَمِ على فساد الأمور، فالمُرَاعَى نيةُ التعجيل لا صورةُ التّعجيل، ردًّا على من يؤخّره إلى اشتباك النُّجوم احتياطًا على الصوم، حتّى لو اشتغل الرَّجُل بأمرٍ ما عن الفِطْر مع اعتقاد الفِطْروأنه انقضى الصّوم بدخول اللّيل، لم يدخل في كراهية تأخير الفِطْر، وكذلك من اشتغل بأداء عبادة كالصّلاة وغيرها كما فعل عمر وعثمان، فإنّه لا يدخل في كراهية تأخير الفطر.

وقال الباجي في (المنتقى شرح الموطأ) : وتعجيل الفطر أن لا يؤخَّر بعد غروب الشمس على وجه التشدُّد والمبالغة واعتقادِ أنه لا يجزئ الفطر عند غروب الشمس على حسب ما

تفعله اليهود ، وأما من أخَّر فطره باختياره لأمر عَنَّ له مع اعتقاده أن صومَه قد كمُل عند غروب الشمس فلا يُكره له ذلك . رواه ابن نافع عن مالك في "المجموعة" اهـ .

وقال الحافظ في (الفتح) : زاد أبو هريرة في حديثه : " لأن اليهود والنصارى يؤخرون ". أخرجه أبو داود وابن خزيمة وغيرهما.

وتأخيرُ أهل الكتاب له أمَدٌ، وهو ظُهورُ النجم، وقد رَوَى ابن حبان والحاكم من حديث سهل أيضا بلفظ: " لا تزال أمتي على سُنتي ما لم تنتظر بفِطْرِها النجوم ". وفيه بيان العلة في ذلك .

قال المهلَّب: والحكمة في ذلك أن لا يزاد في النهار من الليل، ولأنه أرفق بالصائم وأقوى له على العبادة. واتفق العلماء على أن محل ذلك إذا تحقق غروب الشمس بالرؤية أو بإخبار عدلين، وكذا عدل واحد في الأرجح .

قال ابن دقيق العيد: في هذا الحديث ردٌّ على الشيعة في تأخيرهم الفطرَ إلى ظهور النجوم، ولعل هذا هو السبب في وجود الخَير بتعجيل الفطر؛ لأن الذي يؤخره يدخل في فعلِ خلافِ السنة. انتهى .

وما تقدم من الزيادة عند أبي داود أولى بأن يكون سببَ هذا الحديث، فإن الشيعة لم يكونوا موجودين عند تحديثه صلى الله عليه وسلم بذلك .اهـ

وقال الطيبي في (شرح المشكاة) : (لا يزال الناس بخير ما عجَّلوا الفطر)؛ لأن فيه مخالفةَ أهل الكتاب، وكانوا يؤخِّرون الإفطار إلي اشتباك النجوم. ثم صار في مِلَّتنا شعاراً لأهل البدعة، وهذه هي الخَصلة التي لم يرضَها رسول الله صلى الله عليه وسلم.اهـ

وقال الإمام الكشميري في (فيض الباري) : وفي الحديث: «إنَّ أمتي لن يَزالوا على الخيرِ ما عجَّلوا العصرَ وأخَّروا السَّحور» - بالمعنى - وذلك لوقوعِ التحريفِ فيهما عن أهل الكِتاب.

فوجبَ التحذيرُ عنه لتُحْفَظَ الحدودُ. أَمَّا الاحتياط فيه بعد الوقت فلَغوٌ كما قد يفعله الجُهلاءُ من الصُّلحاء.اهـ

وقال ابن عبد البر في "التمهيد" : مِنَ السُّنَّةِ تَعْجِيلُ الْفِطْرِ وَتَأْخِيرُ السُّحُورِ، وَالتَّعْجِيلُ إِنَّمَا يَكُونُ بَعْدَ الِاسْتِيقَانِ بِمَغِيبِ الشَّمْسِ ، وَلَا يَجُوزُ لِأَحَدٍ أَنْ يُفْطِرَ وَهُوَ شَاكٌّ هَلْ غَابَتْ الشَّمْسُ أَمْ لَا، لِأَنَّ الْفَرْضَ إِذَا لَزِمَ بِيَقِينٍ لَمْ يَخْرُجْ عَنْهُ إِلَّا بِيَقِينٍ ، وَاللهُ عَزَّ وَجَلَّ يَقُولُ :(ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ) وَأَوَّلُ اللَّيْلِ مَغِيبُ الشَّمْسِ كُلِّهَا فِي الأفُق عن أعيُن الناظرين ، مَنْ شَكَّ لَزِمَهُ التَّمَادِي حَتَّى لَا يَشُكَّ فِي مَغِيبِهَا .اهـ

وَفِي الفتاوى الْبَزَّازِيَّةِ : وَيُسْتَحَبُّ تَعْجِيلُ الْإِفْطَارِ إِلَّا فِي يَوْمِ غَيْمٍ ، وَلَا يُفْطِرُ مَا لَمْ يَغْلِبْ عَلَى ظَنِّهِ غُرُوبُ الشَّمْسِ وَإِنْ أَذَّنَ الْمُؤَذِّنُ. اهـ

واضح ہوگیا کہ :تاخیر ممنوع وہ ہے جس میں اہل کتاب کی مشابہت اختیار کرتے ہوئے روزہ میں احتیاط کی غرض سے افطار کو ستاروں کے ظہور تک مؤخر کیا جائے،جو شخص یہ نیت نہ رکھتا ہو وہ اگر کسی امر کے بجالانے (جیسے دعا، اذان،تفطیر صائمین) یاعدم تیقن غروب وغیرہ کی غرض سے کچھ تاخیر سے افطار کرتا ہے، تو وہ خلافِ سنت کا مرتکب نہیں ہے، لیکن بلاوجہ زیادہ تاخیر نہ کرے۔

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "اکابر کا رمضان" میں ایک مزے دار واقعہ نقل کیا ہے۔فرماتے ہیں کہ میرے والد صاحب[یعنی مولانا یحیی صاحبؒ] رمضان کے مہینے میں حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے ہاں تشریف لے گئے،دونوں میں بہت بے تکلفی تھی،والد صاحب نے حضرت تھانوی سے پوچھا کہ :افطار کا کیا معمول رہتا ہے؟حضرت تھانوی نے بتایا کہ : میں تو افطار کا گھنٹا بجنے کے باوجود شرحِ صدر کے لیے تین چار منٹ انتظار کرتا ہوں۔

افطار کا وقت ہوا، مہمانوں کے لیے کھانے پینے کی مختلف چیزیں اہتمام سے رکھی گئی تھیں،افطار کا گھنٹا بجا تو والد صاحب نے بغیر انتظار کے روزہ کھول لیا اور کھانا شروع کر دیا،ان کے ساتھ اُن کے مریدین نے بھی

کھانا پینا شروع کر دیا۔ حضرت تھانوی احتیاط کی وجہ سے رُکے رہے اور روزہ نہ کھولا، انھیں دیکھ کر ان کے مریدین نے بھی روزہ نہیں کھولا، ابھی ایک آدھ منٹ ہی گزرا تھا کہ حضرت تھانوی نے فرمایا کہ: اتنے ہمیں شرحِ صدر ہو گا، اتنے تو یہاں سب نمٹ بھی جائے گا؟! چلو بس ہو گیا شرحِ صدر، اور کھانا شروع کر دیا۔

الخلاصہ: روزہ دار مستجاب الدعاء ہے، روزہ کے پورے وقت میں طلوع فجر سے لیکر غروب آفتاب تک جب چاہے وہ دعا مانگ سکتا ہے، خصوصاً قرب افطار کے وقت کی دعا کی بڑی اہمیت ہے متعدد وجوہات کی بناء پر: روزہ سے ہونا، عبادت کے اختتام کا وقت ہونا، نفس میں بھوک وپیاس کی شدت کی وجہ سے عاجزی اور انکساری کا پایا جانا، نیز ترک شہوات پر طویل وقت گذرنے کی وجہ سے قلب کا مصفی ہونا۔۔۔ وغیرہ وغیرہ۔ لہذا روزہ دار کو بحالتِ روزہ خوب دعاؤں کا اہتمام کرنا چاہیئے۔

نیز مضمون میں درج بالا باتوں کی روشنی میں یہ کہنا بجا ہے کہ: قرآن وحدیث، اہل علم کے اقوال، اور بزرگان دین کے معمول کی بناء پر قربِ افطار دعا کرنے میں: ما قبل افطار، عین وقت افطار، افطار کے دوران، افطار سے فراغت کے بعد، یہ تمام حالات شامل ہیں اور سب کا ثبوت ہے، جیسا کہ تفصیلا عرض کیا گیا، اس لئے ان میں سے کسی ایک وقت میں دعا کرنے پر نکیر کرنا مناسب نہیں ہے، اور نصوص سے بھی متصادم ہے۔

جمعہ ورتبہ العاجز: محمد طلحہ بلال اُحمد منیار کان اللہ لہ

۱۲ رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ مطابق ۶ مئی ۲۰۲۰ء